© rasailojaraid.com

احسن تقویم بنایا، اس کو بہترین قوتوں سے آراستہ کیا، اس کو کھانے پینے، اوڑھنے پہننے، مال و دولت، بیوی بچے، گھربار کی خواہش دی تاکہ ان خواہشوں کی تحریک سے وہ اپنی بقاے ذات اور بقاے نوع کی قابلیتوں کو بروے کار لا سکے، اس کو عقل عنایت فرمائی جو خیر و شر میں امتیاز کرنے والی ہے، دل عنایت کیا جو بلند ارادوں کا مخزن ہے، روح عنایت فرمائی جس میں اپنی طلب و جستجو ودیعت کی اور ان سب پر اسے اختیار بخشا کہ وہ ان سب پر حکومت کرے، بلاشبہ وہ ہستی اس بات کی مستحق ہے کہ اس کی بندگی کی جائے اور منعم کے احسان کا حق اس کی شکرگزاری کی صورت میں ادا کیا جائے۔

سورہ العدیٰت میں جذبہ تشکر کی مثال دی گئی ہے کہ ایک حیوان اپنے مالک کے احسان کے بدلے میں اپنی جان پر کھیل جاتا ہے اور مشکل حالات میں اس کی مدد کرتا ہے کہ انسان گھوڑے کو کچھ دانہ اور گھاس دیتا ہے۔ اس احسان کے بدلے میں وہ اپنے مالک کے دشمنوں پر اپنی پوری طاقت سے اپنی جان پر کھیل کر چڑھ دوڑتا ہے حالانکہ اس کشت و خون میں اس کا اپنا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ محض گھوڑے کی احسان شناسی اور اپنے محسن کی خدمت اور اطاعت کا جذبہ ہی ہے کہ اسے خاک و خون سے کھیلنے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ اب انسان اپنے پر غور کرے۔ اس کا مالک وہ ہے جس نے اسے پیدا کیا جو اس کی زندگی کے بے شمار اسباب فراہم کرتا ہے۔ اس کے احسانات بے حد و حساب ہیں۔ پھر وہ انسان پر احسان کر کے اس سے اپنی کوئی خدمت بھی نہیں لینا چاہتا۔ اس پر بھی اگر انسان اپنے رب کی بندگی پر آمادہ نہیں ہوتا تو کیا وہ ایسا ناشکرا ہو جانا پسند کرتا ہے کہ اس کا درجہ جانوروں سے بھی کم ہو جائے!

قرآن حکیم نے تخلیق کائنات، تخلیق انسان اور دیگر اشیا کی پیدائش واضح انداز میں بیان کر کے انسانی نفس کو اس منعم حقیقی سے روشناس کرایا ہے۔ جب انسان دنیا و اسباب دنیا پر غور کرتا ہے تو وہ اسی ہستی کے وجود کو مانتا ہے جس نے اس کو بہترین شکل و صورت میں پیدا کیا اور اس کی حیات و بقا کے لیے اسباب پیدا فرمائے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ○ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ...... فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ○ (الواقعہ ۵۶: ۶۳-۷۰) کبھی تم نے سوچا، یہ بیج جو تم بوتے ہو، ان سے کھیتیاں تم اگاتے ہو یا ان کے اگانے والے ہم ہیں؟ ہم چاہیں تو ان کھیتیوں کو بھس بنا کر رکھ دیں اور تم طرح طرح کی باتیں بناتے رہ جاؤ کہ ہم پر تو الٹی چٹی پڑ گئی، بلکہ ہمارے تو نصیب ہی پھوٹے ہوئے ہیں۔ کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا، یہ پانی جو تم پیتے ہو، اسے تم نے بادل سے برسایا ہے یا اس کے برسانے والے ہم ہیں؟ ہم چاہیں تو اسے سخت کھاری بنا کر رکھ دیں، پھر کیوں تم شکرگزار نہیں ہوتے؟

ب- جذبۂ محبت و الفت: تقاضاے فطرت انسانی یہ ہے کہ انسان اپنی ذات سے اور اپنے وجود سے محبت رکھتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ دنیا کی ہر حسی اور معنوی لذت سے لطف اندوز ہو۔ وہ چاہتا ہے کہ وہ نمایاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو، طاقت ور ہو۔ جذبات محبت انسان کے نفس کی گہرائیوں میں موجود ہیں۔ قرآن مجید فطرت کے ان میلانات سے برسرپیکار ہونے کے بجائے، ان کو مہذب اور شائستہ بناتا ہے اور ان کو منظم و منضبط کرتا ہے۔

مثال کے طور پر حب ذات کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو نصیحت کرتا رہے اور اس کی صحیح سمت راہنمائی کرے، ایسی راہنمائی جو اسے دنیا و آخرت دونوں کی فلاح کی جانب راہنمائی دے۔ چنانچہ قرآن کریم جذبۂ حب کو بروئے کار لانے کے لیے اس ذات باری تعالیٰ کے لیے جذبات محبت بیدار کرتا ہے جو منعم حقیقی ہے اور جس نے انسان کو زندگی عطا کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ج (التغابن ۶۴: ۳) اس نے زمین اور آسمانوں کو برحق پیدا کیا ہے، اور تمھاری صورت بنائی اور بڑی عمدہ بنائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت، انسانی محبت کی سب سے بلند قسم ہے، اور اس کی وجہ سے سب سے زیادہ سعادت اور روحانی لطف حاصل ہوتا ہے۔ اللہ کی محبت ہی مومن کی طرز زندگی کا رخ متعین کرتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی محبت کسی انسان پر چھا جاتی ہے تو اس کے تمام اعمال و تصرفات و سکنات طاعت خداوندی کے تابع ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید نے اپنے دعوتی اسلوب میں اس فطرتی جذبے کو بیان کرتے ہوئے محبوب حقیقی کی محبت کو انسانی نفس کے لیے اصل قرار دیا ہے۔

ج۔ جذبہ تنافس: ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے اور بازی لے جانے کی شدید خواہش (جذبۂ تنافس) ان سماجی نفسیاتی محرکات میں سے ہے، جو لوگوں کے درمیان رائج ہیں۔ معاشرے میں پائی جانے والی تہذیب و ثقافت اور پسندیدہ چیزوں کی قدر و قیمت مقابلہ آرائی کی تحدید کرتی ہے۔ سماج ان مرغوب چیزوں میں تنافس کرنے پر بچوں کو آمادہ کرتا ہے۔ قرآن مجید نے اس بات کی ترغیب دی ہے کہ اللہ سے ڈرنے اور عبادات، نیز اعمال صالحہ کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے تنافس کریں۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ۝ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ ۝ مَّخْتُوْمٍ ۝ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ط وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۝ (المطففین ۸۳: ۲۲-۲۶) بے شک نیک لوگ بڑے مزے میں ہوں گے، اونچی مسندوں پر بیٹھے نظارے کر رہے ہوں گے، ان کے چہروں پر تم خوش حالی کی رونق محسوس کرو گے۔ ان کو نفیس ترین سربند شراب پلائی جائے گی جس پر مشک کی مہر لگی ہو گی۔ جو لوگ دوسروں پر بازی لے جانا چاہتے ہوں وہ اس چیز کو حاصل کرنے میں بازی لے جانے کی کوشش کریں۔

قرآن مجید نے اس فطری جذبے کو بیان کرتے ہوئے اس کا رخ حقیقت کی طرف موڑ دیا ہے کہ دنیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اسباب دنیا کے بارے میں مقابلہ آرائی و مسابقت کرنا' شہرت و عزت حاصل کرنے میں تنافس' سماج میں اقتدار و حکومت حاصل کرنے کے لیے دوڑ لگانا' اور دنیاوی زندگی میں مختلف سازوسامان کے حصول میں سبقت کرنا' حقیقی زندگی کے مقاصد میں سے نہیں' اس کے برعکس' اخلاقی اقدار اور اعمال صالحہ میں تنافس و برتری کو پسندیدہ قرار دیا ہے' جو کہ انسانیت کا مقصود و مطلوب ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○ (الحدید ۵۷:۲۱) دوڑو اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین جیسی ہے' جو مہیا کی گئی ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہوں۔ یہ اللہ کا فضل ہے' جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے' اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

سورہ احقاف میں ہے:

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (الاحقاف ۴۶: ۱۹) دونوں گروہوں میں سے ہر ایک کے درجے ان کے اعمال کے لحاظ سے ہیں تاکہ اللہ ان کے کیے کا پورا پورا بدلہ ان کو دے۔ ان پر ظلم ہرگز نہ کیا جائے گا۔

چونکہ درجہ اعمال کے مطابق ملے گا' اس لیے اچھا درجہ حاصل کرنے کے لیے اچھے اعمال میں دوسروں سے سبقت لے جانے کی کوشش کی ترغیب دی گئی ہے۔

۳- توجہ

تفہیم و ابلاغ میں توجہ بہت اہم چیز ہے۔ انسان جس چیز کی طرف توجہ نہ کرے اسے سیکھ نہیں سکتا۔ اگر مدعو' داعی کی دعوت و پیغام کو توجہ سے نہیں سنے گا تو اس کو قبول کرنے پر کیونکر آمادہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ یہ اشد ضروری ہے کہ پہلے مدعو کو اپنی طرف متوجہ کیا جائے اور پھر دعوت دی جائے۔ دور حاضر کے ماہرین نفسیات نے ایسے وسائل کا ذکر کیا ہے جن کی مدد سے ابلاغ میں مدد ملتی ہے' اور تعلیمی نفسیات میں متوجہ کرنے کے لیے بعض متعین وسائل' مثلاً نقشوں' وضاحتی چارٹوں' مثالوں' قصوں اور سمعی و بصری وسائل کو بھی کارآمد خیال کیا جاتا ہے۔ یہ تمام وسائل بات کو سمجھانے میں بڑے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

قرآن حکیم جو کہ دعوت و ہدایت کی کتاب ہے' اس نے اپنی دعوت کے ابلاغ کے لیے اور انسانوں کو اس ہدایت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ایسے وسائل سے کام لیا ہے جس سے نفس انسانی متاثر ہوتا ہے اور اس کو پیغام حق سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

قرآن حکیم نے توجہ مبذول کرانے کے کئی ایک طریقے استعمال کیے ہیں۔ ان کو درج ذیل عنوانات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الف۔ اسلوب تخاطب: ۱۔ خطابیہ انداز' ۲۔ مکالماتی و گفتگو کا انداز' ۳۔ استفہامیہ و سوالیہ انداز' ۴۔ چونکا دینے والا انداز۔

ب۔ التفات : ۱۔ قسمیں' ۲۔ تمہید باندھ کر متوجہ کرنا' ۳۔ براہ راست حکم دینے کے بجائے صفات بیان کرنا' ۴۔ ایک جیسی آیات میں مطلوبہ الفاظ کا بدل دینا (تکرار مضامین کا نفسیاتی پہلو)۔

ج۔ دل چسپی : توجہ مبذول کرانے میں انسانی جبلتوں اور فطری میلانات کو بیان کیا گیا' ان میں سے درج ذیل اہم ہیں: ۱۔ انسانی جبلتوں سے استفادہ' ۲۔ انسان کے ذوق جمال سے استفادہ' ۳۔ منظرکشی' محسوس و مشہود انداز میں بیان' تصاویری نمونے' ۴۔ تمثیل و امثال' ۵۔ قصص' تشبیہات و استعارات وغیرہ۔

الف۔ اسلوب تخاطب : قرآن مجید نے توجہ دلانے کے لیے کئی طریقے استعمال کیے ہیں۔ ان میں خطابیہ انداز عام ہے۔ خطاب میں مناسب اور برمحل الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ قرآن نے جہاں فطری اور بدیہی باتوں کی تعلیم دی ہے' جیسے توحید اور قرابت داروں اور یتیموں کے ساتھ حسن سلوک وغیرہ تو وہاں اس نے یایھا الناس (اے لوگو) کہہ کر خطاب کیا ہے' یعنی جن باتوں کا لوگوں کو مخاطب بنایا جا رہا ہے وہ مجرد انسان ہونے ہی کی حیثیت سے ان لوگوں پر واجب اور لازم ہیں۔ مگر جب اوامر شریعت اور دین کے فرائض کی تلقین کی جاتی ہے تو یایھا الذین آمنوا (اے ایمان والو) کہہ کر مخاطب کیا جاتا ہے۔ اس خطاب میں یہ بات مدنظر رکھی گئی ہے کہ جن باتوں کا ان لوگوں کو حکم دیا جا رہا ہے وہ ان پر اس وجہ سے لازم ہیں کہ انھوں نے اپنے رب سے اطاعت اور فرماں برداری کا معاہدہ کیا ہے۔ کہیں چونکا دینے والے الفاظ اور جملے استعمال کیے گئے ہیں' مثلاً الا' کلا وغیرہ۔ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ط (اٰل عمرٰن ۳: ۱۵) (کیا میں تمھیں ان سے بہتر چیز سے آگاہ نہ کر دوں)' یا فرمایا: هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ (الصف ۶۱: ۱۰) (میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمھیں عذاب الیم سے بچا دے)---- اس قسم کے جملے اور الفاظ سے سننے والا مکمل طور پر اپنی توجہ کہنے والے کی طرف مرکوز کر لیتا ہے اور اس کے بعد اگر دل نشیں انداز میں بات کی جائے تو بہترین نتائج نکلتے ہیں۔

خطابیہ اور تقریری طریقہ اگر سننے والے کی ذہنی سطح اور موقع محل کے مطابق استعمال کیا جائے تو بہت موثر ہوتا ہے۔ اس میں دلائل کی آمیزش اسے اور بھی سنوار دیتی ہے۔ تمام انبیا کرام نے اپنی دعوت میں اس طریقے سے کام لیا ہے۔ قرآن مجید نے ان میں سے بعض کی تفصیل بیان کی ہے' مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانے میں جب دو ساتھیوں کو اپنی طرف تعبیر خواب کے سلسلے میں مائل پایا تو موقع کی موزونیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ پہلے تو ان کو مطمئن کیا کہ وہ ان خوابوں کی تعبیر بتا سکتے ہیں اور وہ بھی ان کے کھانا آنے سے پہلے اور پھر ان کو مخاطب کر کے فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ .... اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ (یوسف ۱۲: ۳۹-۴۰) اے میرے جیل کے رفیقو، بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے ہیں یا (ایک) خداے یکتا و غالب۔ جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، خدا نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی۔ خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

کیونکہ خواب کی تعبیر چاہنے والے نوکر اور غلام تھے اور وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں اس بات کو خوب محسوس کر سکتے تھے کہ ایک آقا کا غلام ہونا بہتر ہے یا بہت سے آقاؤں کا۔ اس طرح ان کے دل و دماغ کو یہ بات زیادہ متوجہ کرنے والی تھی۔

قرآن مجید نے گفتگو کا اسلوب بھی اختیار کیا ہے۔ مکالماتی انداز سامع کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتا ہے۔ اس میں اپنائیت کا احساس پایا جاتا ہے۔ سامع جلد بات اخذ کرتا اور اس سے اثر قبول کرتا ہے۔ توجہ و انہماک کے لیے یہ نفسیاتی اصول بہت کارگر ہے۔ قرآن مجید کے دعوتی اسالیب کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باہمی گفتگو، بحث و مباحثہ و مکالماتی انداز میں دعوت حق کے کئی نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ قرآن میں ۷۵۲ مقامات پر حوار و محاورہ کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے مثلاً:

۱۔ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے مابین خلق آدم کے موضوع پر (البقرہ ۲: ۳۰-۳۲)۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اور حضرت ابراہیمؑ کے مابین جب حیات و موت کے بارے میں سوال ہوا (البقرہ ۲: ۲۶۰)۔

۳۔ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں جب اللہ تعالیٰ نے سوال کیا، جب کہ لوگوں نے چاہا کہ وہ ان کو اور ان کی والدہ کو خدا بنالیں، اللہ کے سوا (المائدۃ ۵: ۱۱۶)۔

۴۔ اس طرح انبیا کرامؑ کا اپنی اقوام کو دعوت دیتے ہوئے گفتگو کا انداز۔

التفات

قرآن مجید میں التفات کی اکثر مثالیں ملتی ہیں۔ اس کا یہ فائدہ بہت عام ہے کہ سننے والے کو ہوشیار اور خبردار کر دیا جاتا ہے، کیونکہ انسان اپنی غفلت کی وجہ سے بہت سی چیزوں کو دیکھتا ہے لیکن ان کی جانب متوجہ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ انھی چیزوں کی جانب متوجہ ہوتا ہے جو اس کے لیے یا تو ناگزیر ہوتی ہیں یا جن سے اس کے اغراض اور فائدے وابستہ ہوتے ہیں۔ درحقیقت یہ انسان کی مالوف عادت ہے۔ اس لیے التفات کا بہ کثرت استعمال اس جمود و تعطل کو ختم کر کے اس کو فکر و نظر کا عادی بناتا اور سوچنے سمجھنے کے لیے آمادہ کرتا ہے۔ قرآن مجید میں التفات کے اہم اسلوب درج ذیل ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ "قسم" بلاغت و التفات کا ایک اسلوب ہے۔ قرآن مجید میں اس کا استعمال بہ کثرت ہوا ہے۔ "قسم" کے اختصار کی وجہ سے مفہوم پوری طرح واضح ہو جاتا ہے اور اس سے کلام کا زور و اثر بہت بڑھ جاتا ہے۔ یہ اسلوب چونکہ معروف صورت سے بالکل مختلف ہے' اس لیے سامع کو بحث و جدال کا کوئی موقع نہیں ملتا۔ "قسم" کے اسلوب میں دلیل' دعوے سے پہلے سامنے آتی ہے۔ اس کی وجہ سے دلیل بتدریج مخاطب کو اصل دعوے تک کھینچ کر لاتی ہے۔

بعض اوقات آدمی مخاطب کو مطمئن کرنے کے لیے ضرورت محسوس کرتا ہے کہ اپنے کسی بیان یا وعدے کو تاکید کے ساتھ پیش کرے' خصوصیت کے ساتھ اہم قومی' اجتماعی معاملات میں ایسا کرنا' بسااوقات ناگزیر ہوتا ہے۔ ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ' ایک بادشاہ اپنی رعایا کے ساتھ' یا عام افراد آپس میں کوئی معاہدہ کرتے ہیں تو باہمی اعتماد و اطمینان کے لیے اس طرح کی تاکید و توثیق ضروری سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ چیز موافق کو مخالف اور دوست کو دشمن سے پہچاننے کا معیار قرار پاتی ہے۔ انسان کی اس تمدنی ضرورت نے طرح طرح کے طریقے اور خاص خاص الفاظ پیدا کر دیے جن سے لوگ اس تاکید کا اظہار کرنے لگے۔ یہی "قسم" کی اصل حقیقت ہے۔

قرآن مجید کے دعوتی اسالیب میں سے ایک اسلوب یہ ہے کہ وہ آیتوں کو ہیر پھیر کر بیان کرتا ہے' یعنی ایک ہی بات کو متعدد طریقوں سے مختلف پیرایوں میں ذکر کرتا ہے۔ اس کی عبارت بدلتی رہتی ہے لیکن مقصد و منشا ایک ہی ہوتا ہے۔ اس سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مخاطب' متکلم کی مراد کو اچھی طرح سمجھ لیتا ہے' کیونکہ ایک ہی چیز جب کسی کے سامنے مختلف پہلوؤں سے آتی ہے تو اس کو اسے سمجھنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوتی۔ جو گوشہ اور پہلو اول لمحے میں مخفی رہ جاتا ہے وہ دوسری دفعہ واضح ہو جاتا ہے۔ قرآن نے خود بھی اس کی یہی غرض و غایت بتائی ہے' فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ○ (الانعام ۶: ۶۵) دیکھو' ہم کس طرح بار بار مختلف طریقوں سے اپنی نشانیاں ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں شاید کہ یہ حقیقت کو سمجھ لیں---- اور جو لوگ اس قدر جتن اور اہتمام کے بعد بھی انکار و اعراض کی روش پر قائم رہتے ہیں ان کے متعلق فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ○ (الانعام ۶: ۴۶) دیکھو' کس طرح ہم بار بار اپنی نشانیاں ان کے سامنے پیش کرتے ہیں اور پھر یہ کس طرح ان سے نظر چرا جاتے ہیں۔

ایک ہی چیز کا مختلف صورتوں میں ہونا' آدمی کو خصوصیت سے فکر و تدبر پر آمادہ کرتا ہے۔ قرآن میں تصریف آیات کے ضمن میں جو مضامین بار بار دہرائے گئے ہیں' ہر جگہ یہ مستقل اور نئے مضامین معلوم ہوتے ہیں۔

مخالف حق سے ایسے انداز میں مخاطب ہونا یا اس کے سامنے بات ایسے پیرائے میں پیش کرنا کہ کلام کی تلخی اور انداز گفتگو کی درشتی اسے حق کی طرف متوجہ ہونے میں سدراہ نہ ہو۔ اس میں کبھی یہ بھی ہوتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ حق کو صاف لفظوں میں اس کے سامنے نہ لایا جائے کہ وہ انکار پر تل جائے بلکہ ایسی صورت اختیار کی جائے کہ اس کے ضمیر میں تلاش حق کی خلش پیدا ہو اور وہ خود اپنے آزاد ضمیر کے فیصلے سے حقیقت تک پہنچنا چاہے تو پہنچ جائے۔ قرآن مجید میں اس اسلوب کی اکثر آیات موجود ہیں، مثلاً ارشاد ہوتا ہے:

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ ...... وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (البقرہ ۲: ۱۱۱-۱۱۲) ان کا کہنا ہے کہ کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا جب تک کہ وہ یہودی نہ ہو یا (عیسائیوں کے خیال کے مطابق) عیسائی نہ ہو۔ یہ ان کی تمنائیں ہیں۔ ان سے کہو، اپنی دلیل پیش کرو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ (دراصل نہ تمھاری کچھ خصوصیت ہے، نہ کسی اور کی) حق یہ ہے کہ جو بھی اپنی ہستی کو اللہ کی اطاعت میں سونپ دے اور عملاً نیک روش پر چلے، اس کے لیے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسے لوگوں کے لیے کسی خوف یا رنج کا کوئی موقع نہیں۔

اس میں مخالف کی باتوں کا رد ہے مگر اس طرح کہ صریحی طور پر جھوٹ کو جھوٹ اور غلط کو غلط نہیں کہا جاتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ مخاطب خود اپنے ضمیر سے یہ فیصلہ کرے کہ یہ بات غلط ہے۔ پھر اس کے مقابلے میں مثبت پہلو کو کہ "نجات کے مستحق مسلمان ہیں" اسے بھی صاف صاف "مسلمان" کے لقب کے ساتھ نہیں کہا جا رہا بلکہ اوصاف بیان ہوتے ہیں کہ وہ اوصاف جس پر منطبق ہوں وہ نجات کا مستحق ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط قُلِ اللّٰهُ لا وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (سبا ۳۴: ۲۴) ان سے پوچھو "کون تم کو آسمانوں اور زمین سے رزق دیتا ہے"؟ کہو "اللہ۔ اب لامحالہ ہم میں اور تم میں سے کوئی ایک ہی ہدایت پر ہے یا کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے"۔

یہ حقیقت حال کے بارے میں شک کا اظہار نہیں بلکہ ایک حکیمانہ انداز ہے مخاطب کے لیے حقیقت پر غور کرنے کی دعوت کا جو اسے ناگوار بھی نہ ہو۔

مولانا مودودیؒ زیر نظر آیت کے تحت لکھتے ہیں:

اس فقرے میں حکمت تبلیغ کا ایک اہم نکتہ پوشیدہ ہے۔ اوپر کے سوال و جواب کا منطقی نتیجہ یہ تھا کہ جو اللہ ہی کی بندگی و پرستش کرتا ہے وہ ہدایت پر ہو، اور جو اس کے سوا دوسروں کی بندگی بجا لاتا ہے وہ گمراہی میں مبتلا ہو۔ اس بنا پر بظاہر تو اس کے بعد کہنا یہ چاہیے تھا کہ ہم ہدایت پر ہیں اور تم گمراہ ہو۔ لیکن اس طرح دو ٹوک بات کہہ دینا حق گوئی کے اعتبار سے خواہ کتنا ہی درست ہوتا حکمت تبلیغ کے لحاظ سے درست نہ ہوتا۔ کیونکہ جب کسی شخص کو مخاطب کر کے آپ صاف صاف گمراہ کہہ دیں اور خود اپنے برسر ہدایت ہونے کا دعویٰ کریں تو وہ ضد میں مبتلا ہو جائے گا اور سچائی کے لیے اس کے دل کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اللہ کے رسول چونکہ مجرد حق گوئی کے لیے نہیں بھیجے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتے بلکہ ان کے سپرد یہ کام بھی ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ حکیمانہ طریقے سے بگڑے ہوئے لوگوں کی اصلاح کریں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اے نبی، اس سوال و جواب کے بعد اب تم ان لوگوں سے صاف کہہ دو کہ تم سب گمراہ ہو اور ہدایت پر صرف ہم ہیں۔ اس کے بجائے تلقین یہ فرمائی گئی کہ انھیں اب یوں سمجھاؤ۔ ان سے کہو ہمارے اور تمھارے درمیان یہ فرق تو کھل گیا کہ ہم اس کو معبود مانتے ہیں جو رزق دینے والا ہے، اور تم ان کو معبود بنا رہے ہو جو رزق دینے والے نہیں ہیں۔ اب یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ ہم اور تم دونوں بہ یک وقت راہ راست پر ہوں۔ اس صریح فرق کے ساتھ تو ہم میں سے ایک ہی راہ راست پر ہو سکتا ہے، اور دوسرا لامحالہ گمراہ ٹھیرتا ہے۔ اس کے بعد یہ سوچنا تمھارا اپنا کام ہے کہ دلیل کس کے برسرہدایت ہونے کا فیصلہ کر رہی ہے اور کون اس کی رو سے گمراہ ہے (تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۲۰۱)۔

دل چسپی

عمل دعوت میں دل چسپی بھی ایک ناگزیر عامل ہے۔ دعوت و پیغام کس قدر عمدہ ہو مگر اس کے ابلاغ کے لیے موثر اسلوب اختیار نہ کیا جائے تو مطلوب اثرات حاصل نہیں ہوتے۔ دعوت و تبلیغ کا تعلق چونکہ ایک متحرک، ذی عقل، باشعور انسان سے ہے اس لیے اس کام میں مدعو کے حالات و میلانات کے ساتھ ساتھ، اس کی دل چسپی کو بھی مدنظر رکھنا، داعی کے لیے ضروری ہے تاکہ وہ اس پیغام کی طرف متوجہ ہو اور اس پر غور کرے۔

قرآن مجید نے اپنے دعوتی اسالیب میں انسانی ذوق اور دل چسپی کے پہلو کو مدنظر رکھا ہے۔

ذیل میں چند ایک مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔

قرآن حکیم نے اپنے پیغام کی طرف متوجہ کرنے اور اس کو آسان انداز میں بیان کرنے کے لیے امثال و تمثیل کا اسلوب اپنایا ہے۔ کیونکہ قرآن کے پیش نظر فہم دین کو مخاطب کے دل میں اتارنا ہے اور اس سلسلے میں وہ بہترین موزوں سے موزوں مثال پیش کرتا ہے۔ قرآن کا نظریہ تمثیل، تفہیم دین ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ○ (الحشر ۵۹:۲۱) یہ مثالیں ہم لوگوں کے سامنے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ وہ (اپنی حالت) پر غور کریں۔

تمثیلی پیرایہ بیان، افہام و تفہیم کے لیے سب سے زیادہ مفید طریقہ ہے۔ جس سے ایک نامعلوم بات مشہور اور متعارف صورت میں بتائی جا سکتی ہے۔ جن باتوں سے طبیعتیں مانوس نہیں ہیں انھیں جانے پہچانے حقائق کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ معانی کی غیر مرئی کیفیت، مرئی کیفیت سے بدل دی جاتی ہے۔ امثال و تمثیل سے انسان کے اندر فکر و نظر اور قیاس و استنباط کی صلاحیت و استعداد پیدا ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اہم چیز یہ ہے کہ جو چیز آدمی کے ذہن سے محو ہو چکی ہوتی ہے وہ دفعتاً تمثیل سے یاد آجاتی ہے۔ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (الزمر ۳۹: ۲۷) ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح کی مثالیں دی ہیں کہ یہ ہوش میں آئیں۔

قصے اور کہانیاں انسان کو متوجہ کرتے ہیں' سننے کی رغبت پیدا کرتے ہیں' اور واقعات کا تسلسل معلوم کرنے کا شوق پیدا کرتے ہیں۔ اس لیے تعلیم و تربیت میں قصوں کا استعمال دور قدیم سے تمام سماجوں میں ایک معروف چیز رہی ہے۔

قرآن کریم نے بھی لوگوں کی نفسیاتی تربیت کرنے' انھیں نصیحت کرنے' اور بہت سی عبرتوں اور حکمتوں کو سکھانے میں قصوں سے مدد لی ہے۔ قرآن کریم نے انتہائی اختصار کے ساتھ قصوں کی دعوتی و تربیتی تاثیر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ط (یوسف ۱۲: ۱۱۱) اگلے لوگوں کے ان قصوں میں عقل و ہوش رکھنے والوں کے لیے عبرت ہے۔

قرآن مجید نے کم سے کم الفاظ میں زیادہ معانی کو سمو دیا ہے اور فنی تعبیرات کی متنوع صورتوں کو ان قصص میں سمیٹ لیا ہے۔ کہیں رواں اور سلیس انداز بیان ہے۔ کہیں گفتگو کی صورت ہے۔ کہیں نغمگی کے حامل چھوٹے چھوٹے مربوط اور ہم وزن فقرے ہیں' کہیں جیتے جاگتے کردار' اور کہیں بڑی جزرسی کے ساتھ واقعے کی باریکیوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ قرآن قصے کے ہیرو کا بلند ترین پاکیزہ اور صاف ترین لمحہ بیان کرتا ہے جو مثالی نمونہ بن سکے اور مدعو اس کو اختیار کرنے پر آمادہ ہو سکے۔ اسی طرح منحرفین کے نفوس کا وہ تاریک پہلو اور برائی اجاگر کرتا ہے جس سے دوسروں کو ان سے نفرت ہو اور وہ ان کے برے انجام سے عبرت حاصل کریں۔ یہ اسلوب درحقیقت قرآن کے مقاصد سے ہم آہنگ ہے۔

قرآن مجید کے دعوتی اسالیب میں تصویر کشی' واقعہ یا بات کو مجسم و محسوس انداز میں پیش کرنا سب سے عمدہ اور نمایاں اسلوب ہے اور قرآنی مطالب کو ذہن نشین کرانے کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔ وہ مطالب و معانی ہوں جو فکری و ذہنی ہوتے ہیں' یا انسان کے نفسیاتی حالات و کیفیات اور واقعات و حوادث' یا انسانی کردار اور طبیعتیں۔ قرآن ان سب کو ایسی تصویروں کی صورت میں پیش کرتا ہے جیسے انسان چشم تصور سے دیکھ رہا ہو' محسوس کر رہا ہو اور اس طرح ایک انسانی کردار زندہ شخص بن کر آنکھوں کے سامنے نمودار ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید نے دعوت حق کے ابلاغ میں دل چسپی پیدا کرنے اور بات سمجھانے میں اس موثر اسلوب کو کثرت سے استعمال کیا ہے۔ ذہنی' فکری و مجرد معانی مفاہیم سے لے کر' حکایات' قصص' تمثیلات تک کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واقعات کو بھی متحرک و مجسم انداز میں پیش کیا ہے۔ قرآنی دعوت میں تصویر کشی کے اہم اسالیب میں چند ایک درج ذیل ہیں۔ مثلاً ۱۔ ذہنی تصورات و مفاہیم کی تصاویر ۲۔ انسانی نفسیات اور کردار کی تصاویر ۳۔ حوادث، قصص اور تمثیلات کی منظر کشی ۴۔ عالم آخرت کی تصویریں ۵۔ دعوت دین کی تصویریں ۶۔ جذبات و احساسات کی تصویر کشی ۷۔ قرآنی واقعات میں شخصیت نگاری ۸۔ کامل نسل انسانی کے نمونے۔[1]

انسانی بصیرت تک رسائی حاصل کرنے کے لیے قرآن نے ہمیشہ ہدایت اور احساس کو بیدار کرنے کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اس مقصد کے لیے قرآن میں جو مواد موجود ہے وہ محسوس مناظر اور دیکھے جانے والے حوادث پر مشتمل ہے۔ یہ وجدانی انداز کلام حواس کو متاثر کرتا، قوت متخیلہ کو بیدار کرتا، انسانی بصیرت کے دروازے پر دستک دیتا اور ضمیر کو خواب غفلت سے جگاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نفس انسانی ان حقائق کو قبول کرنے اور ان پر یقین کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید کے اس اسلوب کا مکمل احاطہ کرنا تو مشکل ہے۔ چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں:

○ عمل خیر پر آمادہ کرنے اور اخلاق حسنہ کو اختیار کرنے کے لیے مجرد فکری و ذہنی تلقین نہیں کی بلکہ ایک نیک، بااخلاق انسانی کردار کا نمونہ بیان کر دیا، اور انسان پورے شعور اور احساس کے ساتھ جس قدر ہو سکے اپنی مرضی سے اس کو اختیار کرے۔ ارشاد ہوتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِہِمْ خٰشِعُوْنَ ...... ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۝ (المومنون ۲۳: ۱-۱۱) یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو: اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں، لغویات سے دور رہتے ہیں، زکوٰۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور اُن عورتوں کے جو ان کی ملک یمین میں ہوں کہ ان پر محفوظ نہ رکھنے میں وہ قابل ملامت نہیں ہیں، البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنے والے ہیں، اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں، اور اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وہ وارث ہیں جو میراث میں فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہ تربیت کا ایک بہترین مثالی نمونہ ہے کہ نفس انسانی سے کسی عمل کا مطالبہ اس طرح کیا جائے کہ اسے یہ احساس تک نہ ہو کہ اس سے کسی عمل کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ صرف ایک خوب صورت و دل کش اور حسین نمونہ سامنے رکھ دیا جائے اور اس میں اس قدر کشش ہو کہ انسان خود بخود اس کی طرف کھنچتا چلا آئے، اور اس نمونے کو اپنانے کی سعی کرے۔

○ قرآن مجید لوگوں کے سامنے اس منظر کو پیش کرنا چاہتا ہے کہ اس دنیا کی مدت کتنی کم ہے، جو لوگوں کو اخروی زندگی سے غافل بنا رہی ہے۔ وہ اس منظر کو یوں بیان کرتا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ○ (الکہف ۱۸:۴۵) اور ان سے دنیا کی زندگی کی مثال بھی بیان کر دو۔ (وہ ایسی ہے) جیسے پانی جسے ہم نے آسمان سے برسایا تو اس کے ساتھ زمین کی روئیدگی مل گئی پھر وہ چورا چورا ہو گئی کہ ہوائیں اسے اڑاتی پھرتی ہیں اور خدا تو ہر چیز پر قادر ہے۔

یہاں تین قصے ہیں: (۱) پانی جو آسمان سے اتارا۔ (۲) زمین کی روئیدگی اس کے ساتھ مل گئی۔ (۳) پھر وہ چورا چورا ہو گئی کہ ہوائیں اسے اڑاتی پھرتی ہیں۔ ان تین مختصر جملوں میں تین پیہم مناظر ہیں اور دنیا کی زندگی کی مثال' ان جیسی ہے کہ وہ بھی اس طرح ختم ہو جاتی ہے' افسوس زندگی کس قدر مختصر ہے (سید قطب شہیدؒ' التصویر الفنی فی القرآن' مترجم غلام احمد حریری)۔

الغرض یہ کہ جہاں کسی ایسے معنی و مفہوم کا اظہار مقصود ہو جو مجرد عن المادہ ہے' یا نفسیاتی حالت اور معنوی صفت کا ذکر مقصود ہو' یا انسانی نمونہ یا وقوع پذیر ہونے والے واقعے' یا گذشتہ قصے پر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہو' یا قیامت کے مناظر میں سے کسی منظر کا بیان کرنا ہو' یا جنت و جہنم کے راحت و عذاب کا ذکر مقصود ہو' قرآن کریم نے اسی اسلوب کو پیش نظر رکھا ہے۔

المختصر یہ کہ نفس و فطرت انسانی ہمیشہ اس کام کی طرف راغب ہوتی ہے جس میں اس کی دل چسپی ہو' اور جس میں اس کو مالی و جسمانی فوائد حاصل ہوں' یا جس کی بدولت وہ کوئی بلند مقام و مرتبہ حاصل کرے۔ تحریک و تشویق' ترغیب و ترہیب وہ ذرائع تحریک ہیں' جو فطرت و نفس انسانی کو عمل پر ابھارتے ہیں اور مشکل سے مشکل کام اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نفسیاتی طریقہ دعوت کو جا بجا استعمال کیا گیا ہے اور ہر وہ نفسیاتی محرک' جو انسانی فکر و سوچ کو آمادۂ عمل کرے اور ہر فطرتی داعیہ جس کے لیے انسان متحرک ہو' قرآن نے بیان کیا ہے اور ان تمام عوامل کا رخ انسانی تربیت و ہدایت کے لیے متعین کیا ہے تاکہ انسان اس پیغام حق کی حقانیت کو بآسانی سمجھ سکے' اور اس کو قبول کرنے کے بعد اس پر عمل پیرا ہو سکے۔

حواشی

(۱) اسلوب تصویر کشی پر سب سے عمدہ' تحقیقی و تخلیقی کام' سید قطب شہیدؒ کا ہے۔ آپ کی تفسیر' فی ظلال القرآن میں بھی اس کے نمونے ملتے ہیں اور اس کے علاوہ اس فن پر مستقل دو تصانیف بالترتیب:

(۱) التصویر الفنی فی القرآن ' قرآن مجید کے فنی محاسن' (مترجم غلام احمد حریریؒ) (تصاویر قرآنی' مترجم مرادؒ)' (۲) مشاهد القیامة فی القرآن' (مترجم نصراللہ خان خازن) ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

10 قائد کا بنیادی کام : قیادت تیار کرنا

قائد کی ذمہ داریوں کی فہرست بہت طویل ہے۔

لیکن کسی قائد کا حتمی امتحان یا اس کی تکمیلی صفت قیادت کی تیاری ہے۔

قائد کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ تنہا قیادت کی تمام ذمہ داریوں سے عہدہ بر آ ہو سکے۔

وہ افراد کو اپنے ساتھ ملا کر ایک بہترین ٹیم کی شکل میں ہی ایسا کر سکتا ہے۔

اسے ایسی ٹیم کا انتخاب کرنا ہوتا ہے جس کا ہر فرد قائد کے کام کو تقویت پہنچانے میں اپنی جگہ
کلیدی کردار ادا کر رہا ہو اور
قائد کی جگہ خالی ہونے پر اس کا نعم البدل ثابت ہو!

قائد کا کام ہر سطح پر قیادت کی تیاری کے کام کی قیادت کرنا ہے۔

جو افراد میسر ہوں ان کو ایسی ذمہ داریاں دینا جن سے ان کا قائدانہ جوہر نکھر کر سامنے آ ئے۔

اس کام میں کامیابی قائد کو عظیم قائد اور قائد اعلیٰ بناتی ہے۔

بہترین قائد---
درا صل بہترین معلم ہوتا ہے---
اور بہترین معلم بہترین قیادت تیار کرتا ہے۔

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
میں انسانیت کے لیے معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (الحدیث)

سنابل العلم

© rasailojaraid.com